تحریر: ملک نصر اللہ خان عزیز

بطل حریت

۱۹۲۵ء سے لیکر ۱۹۴۵ء تک میرا اور شاہ جی کا سیاسی مسلک ایک ہی تھا میں نے ان کے ساتھ سفر بھی کیا ہے حضر میں بھی شامل رہا ہوں ان کی تقریریں بھی سنی ہیں۔ ان کی کشت زعفران محفلوں میں بھی بیٹھا ہوں ان سے مسائل میں اتفاق بھی کیا ہے اور اختلاف بھی کانفرنسوں میں ان کی خطابت کے جوہر بھی دیکھے ہیں اور نجی مجلسوں میں ان سے معاملات پر گفتگو بھی ہوئی اس لحاظ سے مجھے حق پہنچتا ہے کہ میں ان کے متعلق اپنی معلومات احاطۂ تحریر میں لاؤں

پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

میں نے شاہ صاحب کو پہلی مرتبہ اس وقت دیکھا جبکہ ۱۹۲۵ء میں ترک موالات کر کے میں لائلپور سے گجرات آزاد مسلم ہائی سکول میں سیکنڈ ماسٹر بن کر گیا حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے انتقال کی خبر سے ہندوستان کے اسلامی حلقوں پر غم و اندوہ کی تاریک گھٹا چھائی ہوئی تھی اور دعائے مغفرت کے لئے آزاد مسلم ہائی سکول کی عمارت کے قریب ایک پرانی ویران مسجد میں ایک اجتماع منعقد ہو رہا تھا میں شاہ صاحب سے متعارف نہیں تھا میں نے دیکھا کہ جب لوگ قرآن مجید کی تلاوت کر چکے تو ایک مولوی صاحب جن کے سر پر کھدر کی کلپاک تھی جو اس زمانے میں مرحوم علی برادران وضع کی تقلید میں عام طور پر خلافتی کارکن پہنتے تھے موٹے کھدر کے کپڑے کندھے پر شربتی رنگ کی چادر چھوٹی سی داڑھی، عمر ہو گی کوئی تیس برس کی منبر پر چڑھے اور نہایت پرسوز لہجے میں خطبہ مسنونہ پڑھ کر ایک انداز خاص سے قرآن مجید کی تلاوت کر کے حضرت شیخ الہند کے فضائل و خدمات اسلامی کا تذکرہ کیا اور ایصال ثواب کی یہ مجلس برخواست ہو گئی۔ میں نے دریافت کیا یہ کون صاحب ہیں؟

جواب ملا سید عطاء اللہ شاہ بخاری ہیں۔

میں نے شاہ صاحب کا نام اس سے پیشتر سن رکھا تھا کیونکہ انہیں کی کوششوں سے آزاد مسلم ہائی سکول قائم ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی آتش نفس خطابت سے زندہ دلان گجرات کے دلوں میں ایثار و عمل کی آگ لگا دی تھی۔ طلباء سکولوں سے نکل نکل کر آ گئے تھے اور عورتوں نے اپنی بالیاں کانوں سے اتار اتار کر دے دی تھیں اور اس طرح ہائی سکول قائم ہو گیا تھا۔ ان کی تقریروں کی بڑی دھوم تھی، اس کے بعد گجرات میں شاہ صاحب کی تقریروں کو سننے کا بارہا اتفاق ہوا۔ یہاں تک کہ کچھ دنوں کے بعد ان کی گرفتاری عمل میں آئی اور وہ غالباً تین برس کے لئے جیل بھیج دیئے گئے۔ گجرات میں ان کی خطابت کی اتنی تاثیر تھی کہ ضلع گجرات کے حکام ان کو گرفتار کرنے کی ذمہ داری لینے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ اور وہ ایک دوسرے ضلع کی تقریر پر گرفتار کر لئے گئے، جب وہ جیل سے نکلے تو ہوا کا رخ پلٹ چکا تھا۔ آزادیٔ حریت کی تحریک کی ندی اتر چکی تھی۔ ہندوؤں مسلمانوں کے فسادات شروع ہو چکے تھے۔ انگریز کے اقبال کا سحر اپنا کام کر چکا تھا اور طائران قفس اپنے جال کے حلقے خود بن رہے تھے۔ اس عالم میں بڑوں بڑوں کے قدم ڈگمگا گئے تھے۔ ہندوؤں میں کتنے ہی لیڈر ایسے تھے جن کو انگریزی غلامی سے زیادہ مسلمانوں کے غلبے کا غم کھانے لگا تھا

اور مسلمانوں میں کتنے ہی رہنما تھے جو ملک کی آزادی سے زیادہ ضروری مساجد کے سامنے باجہ بجانے سے روکنے کو ترجیح دیتے تھے۔ انگریزی حکومت مطمئن ہوچکی تھی عالم اسلام کی مصیبت پر آنسو بہانے کا دور ختم ہوچکا تھا مگر سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب ان مردانِ عزیمت میں سے تھے جن کے پائے استقلال کو لغزش نہیں ہوتی تھی ان کی توجہ اب بھی انگریزی اقتدار کی طرف تھی۔ لیکن اس توجہ میں بعض ضمنی ملی مسائل بھی شامل ہوگئے تھے۔ میں ۱۹۲۴ء میں پنجاب سے نکل کر اخبار مدینہ بجنور کی ادارت سے وابستہ ہوکر یو۔پی چلا گیا۔ اور شاہ صاحب کی تقریروں کو سننے کا موقع ایک مدت تک نہ ملا۔ یہاں تک کہ ایک روز میں نے سنا کہ شاہ صاحب نگینہ تقریر کے لئے تشریف لائے ہیں۔ بجنور کے دوستوں نے فرمائش کی کہ شاہ صاحب کو بجنور لایا جائے۔ ان کو دعوت دینے کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی گئی۔ شاہ صاحب خوشی سے اس زحمت کو گوارا کرنے کے لئے تیار ہوگئے اور ہم نے ایک مدت کے بعد پھر ان کی خطابت کے جوہر دیکھے۔

اس کے علاوہ شاہ صاحب سے ان کانفرنسوں میں ملاقات ہوتی رہی جو دہلی، لکھنو وغیرہ میں ہوتی رہتی تھیں ان مواقع پر کم ہی بولتے تھے۔

شاہ صاحب ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنی حدود کو خوب سمجھتے تھے۔ اور ہر مسئلہ میں گفتگو کرنے کو شان قیادت کا لازمہ۔ مگر شاہ صاحب اس قسم کی غلط فہمی میں کبھی مبتلا نہیں ہوئے۔

وہ اپنا ایک اصولی مسلک طے کرلیتے اور طے کردہ مسلک پر اعتماد کرتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہوجاتے۔

اپنی خداداد خطابت کو اس کی پیش رفت میں استعمال کرتے۔ ان کا مقام تبلیغ اور دعوت عمل کا ہے۔

غور فکر اور فیصلہ کرنا ان کے رفقاء کا کام ہے۔ جن کو ان کے نزدیک خدا نے اسکی صلاحیت بخشی ہے۔ جب ان کی جماعت کسی مسئلہ کا فیصلہ کرلیتی ہے تو پھر وہ اس کی تبلیغ کے لئے خود کو ہمہ تن وقف کردیتے اور اس معاملہ میں اس کے دریا کے طبع کی روانی کو نہ کوئی خطرہ روک سکتا اور نہ مصائب تکلیف کی چٹانیں اس راہ پر حائل ہوسکتی تھیں ہمیشہ جہاد کی صف اول میں رہتے تھے۔ اور تحریک کی پہلی زد کو اپنے سینے پر سہتے تھے چنانچہ ملک کی کوئی ایسی قومی، ملکی، ملی تحریک نہیں اُٹھی جس میں انہوں نے قید و بند کو لبیک نہ کہا ہو۔

مذہب

جو مذہب انسان کے دل کو گداز نہیں کرتا وہ مذہب نہیں سیاست ہے۔ اور مجھے ایسی سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ